اسلام میں عدل اجتماعی کے چند مظاہر
(پاکستانی سماج واداروں کے تناظر میں)

پروفیسر ڈاکٹر سید عبدالمالک آغا*

Islamic State is based on Islamic Social System. Islamic Social System is an comprehensive System. It covers all spheres of life. Particullary, it can be devided in the following kinds:

1. Economic Justice. 2. Social Justice. 3. Judicial Justice.

Islamic Social System is based on the Holy Quran & Sunnah. The basic purpose of an Islamic state is to implement the whole social system in the state. Therefor, different judicial institutions were established in the Islamic history. Shortly, in the form of islamic social system, islamic state was successed to provide equal justice to all muslims and non muslims. Currently, those Problems, which are being faced by pakistan, can be solved through the implementation of islamic social system in the counrtry.

۱۔ عدل اِجتماعی کا مفہوم:

عدل اجتماعی تعلیمات نبویؐ کی رُو سے ایک جامع انسانی عدل ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ سیّد قطب شہید نے اپنی کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" میں لِکھا ہے :

"اجتماعی عدل اسلامی تعلیمات کی رُو سے ایک جامع انسانی عدل ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ وہ فکر وعمل اور ضمیر ووجدان سب پر چھایا ہوا ہے اس کا دارومدار معاشی اقدار پر ہے۔ یہ اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے صرف مادی قدروں تک محدود نہیں بلکہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے" (۱)

عدل اجتماعی کے مختلف مظاہر ہیں جن میں خاص حسب ذیل ہیں:

۱۔ عدل انفرادی، ۲۔ عدل اجتماعی، ۳۔ عدل عمرانی، ۴۔ معاشی عدل، ۵۔ سیاسی عدل اور قانونی عدل

عدل اجتماعی کا نفاذ مختلف اداروں کا محتاج ہے۔ اجتماعی سطح پر عدل نافذ کرنے والے ادارے حسب ذیل ہیں:

* ڈین فیکلٹی آف ایجوکیشن اینڈ ہیومینیٹیز، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ۔

ا۔	قضاء	۲۔	شرطہ	۳۔	افتاء
۴۔	حسبہ	۵۔	دیوان المظالم	۶۔	تحکیم(۲)

II۔ عدل اجتماعی کی ضرورت:

انسان اجتماعیت پسند ہے۔اس تصور پر تمام ماہرین سماجیات،ارسطو سے لے کر بابا عمرانیات ابن خلدون تک سب متفق ہیں۔ ابن خلدون کہتے ہیں:"افراد انسانی کا اکھٹے مل کر رہنا سہنا ایک ناگزیر بات ہے،اور یہی وہ حقیقت ہے جسے اہل علم ودانش اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے"۔(۳)معلوم ہوا کہ انسان معاشرے کا محتاج ہے۔اور فطرتاً جھگڑالو واقع ہوا ہے۔فرمان الٰہی ہے:وَ کَانَ الاِ

نسَـــانُ اَکثَـرَ شَـئی ء جَدَ لاً (۴)" مگر انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے"۔ظلم طبائع انسانی کا خاصا ہے۔امام شیرازیؒ کہتے ہیں کہ : **وَلان الـظـلـم فـی الـطبائع فلابد من حاکم ینصف المظلوم مِن الـظـالم** (۵)اور اس وجہ سے کہ ظلم طبائع انسانی کا خاصا ہے۔اسی وجہ سے حاکم مظلوم کو ظالم سے اِنصاف دِلاتا ہے۔الغرض مدنی الطبع انسان جو فطرتاً جھگڑالو واقع ہوا ہے اور ظلم اس کی طبیعت کا خاصا ہے،کیلئے قانون ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر متمدن معاشرہ کا تصور ہی ممکن نہیں۔اس حقیقت کو ابن سینا نے یوں بیان کیا ہے : "انسان تنہا اپنی ضروریات حیات کی تکمیل نہیں کرسکتا۔ بلکہ اجتماعی زندگی گزارنا اس کی فطری مجبوری ہے اور زندگی کی گاڑی چلانے کیلئے مشارکت اور تعاون لازمی ہوتا ہے اور معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کیلئے عدل وانصاف کے قوانین متعین ہوں"۔(۶)

III۔ عدل اجتماعی کا تصور:

اسلام ایک اجتماعی نظام ہے۔اجتماعیت اس کی روح ہے۔حدیث میں آیا ہے:**عَـلَیـکُـم بِـالجَمَاعَةِ وَاِیَّا کُم وَالفُرقَة**(۷)"

جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو،اور انتشار سے پوری طرح الگ رہو"۔دوسری طرف قدرتی طور پر اُن لوگوں کا اجر اور مرتبہ قابل رشک حد تک عظیم قرار دیا گیا ہے جو اس نظم اجتماعی کی عملی شکل۔اسلامی مملکت۔کی حفاظت اور سالمیت کیلئے جانبازی دکھائیں(۸)حدیث نبوی ہے:"دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہ چھُو سکے گی:ایک وہ جو خوف خدا سے رو پڑی ہو،دوسری وہ جس نے رضائے الٰہی کی خاطر سرحدوں کی

نگرانی کرتے ہوئے رات گزار دی ہو"۔(۹) حضورؐ نے صحیح اسلامی اجتماعیت سے پوری طرح وابستہ رہنے کی تلقین کے بعد فرمایا ہے کہ:"اور جس نے جاہلیت کی پکار پر لوگوں کو بلایا اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اگر چہ روزے رکھتا، نمازیں پڑھتا، اور اپنے کو مسلمان سمجھتا ہو"۔(۱۰) اجتماعیت کا آخری منزل ایک ریاستی نظام کا قیام ہے اور عدل اجتماعی کا نفاذ اس ریاست کا بنیادی ہدف ہے۔ بقول ایک مسلم فکر : "اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام اور پھر اپنے آخری پیامبرﷺ کو خدا کی زمین پر جس مقصد وہدف کے حصول کیلئے بھیجا وہ تھا: تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ انسانوں کے درمیان عدل وانصاف کا قیام اور اسی بنیاد پر معاشرے اور ریاست کی تعمیر وتشکیل"(۱۱) اسلام کی آمد سے قبل عدل کی حیثیت بالکل انفرادی تھی۔ اسلام نے عدل انفرادی کا خاتمہ کر دیا اور عدل کو اجتماعیت سے ہمکنار کیا۔ یہ تاریخی تبدیلی اس وقت آئی، جب حضورﷺ نے مدینہ منوّرہ میں ریاست اسلامی کی بنیاد رکھی اور وہاں دنیا کا پہلا دستور نافذ کیا۔ اسی دستور کے تحت دو اہم اداروں کی تشکیل عمل میں آئی۔ یعنی ادارہ اِفتاء اور دارُالقضاء، جو عدل اجتماعی کے قیام کے دو اہم اساسی دارے ہیں۔

۱۷۔ عدل اجتماعی کا قیام اور اس کی ضرورت:

عدل اجتماعی کا نفاذ اور اس کی ضرورت واہمیت کتاب وسُنّت سے ثابت ہے اور اس کی فرضیّت پر امّت کا اجماع ہے اور شرعاً قیام قضاء فرض کفایہ ہے(۱۲) حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنے اس اہم خط میں لکھا ہے کہ :فَاِنَّ الـقَضَاء فَرِيضَة مُحكَمَة وَّ سُنَّة مُتَّبَعَة(۱۳)"نظام قضاء کا قیام ایک محکم فریضہ اور ایک ایسی سُنّت ہے جس کا ہمیشہ اتباع کیا گیا ہے"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ ایک جملے میں بیان فرما دیا ہے کہ:اَلـمُـلکُ يَبـقٰى مع لكفر وَلَا يبقى مع الظلم(۱۴) " کفر پر مبنی حکومت تو قائم رہ سکتی ہے مگر ظلم وناانصافی کے ساتھ حکومت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی"۔ امام سرخسیؒ نے لکھا ہے : "حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد سب سے زیادہ قوی فرض ہے اور یہ تمام نفلی عبادتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مکرم اور مشرف عبادت ہے"(۱۵) امام کاسانیؒ کے بقول : "عدالتی فرائض کی انجام دہی محض مذہبی نوعیت کا ایک فرض منصبی ہی نہیں، بلکہ ایک عبادت اور مذہبی فریضہ کی تکمیل ہے"(۱۶) ابن قدامہؒ نے کہا ہے : "مسلمانوں کا منصب قضاء کی مشروعیت اور لوگوں پر اس کے فیصلوں کے نفاذ پر اجماع ہے"(۱۷) شیخ علاؤالدین ابن خلیل طرابلسیؒ نے لکھا ہے کہ : "قضاء کے اس بزرگ مرتبہ کی عظمت اور اس کی معرفت انسان پر واجب ہے۔ رسولوں کی بعثت کا یہی مقصد رہا ہے"۔(۱۸)

۷۔ کتاب اللہ اور عدل اجتماعی کی اہمیت:

قرآن مجید میں عدل اور اس کے مشتقات چھبیس مرتبہ آئے ہیں۔قرآن کریم میں عدل کے مترادفات قسط،وسط،میزان،اعتدال،قسطاس،مستقیم،تقدیر اور ان کے مشتقات وارد ہوئے ہیں اور یہ سبھی معانی اسلامی نظریہ عدل کی ماہیت وترکیب میں شامل ہیں(۱۹)ایک معروف عالم دین نے لکھا ہے : "اسلامی ریاست کا چھٹا اصول ہے القضاء بالعدل اور القیام بالقسط یعنی عدل وانصاف اور قانونی مساوات۔قرآن حکیم میں اس اصول کا ذکر لفظ عدل کے ساتھ ۱۷ آیات میں ہوا ہے اور لفظ قسط بمعنے انصاف کے ساتھ ۲۳ آیات میں اس کا ذکر ہوا ہے" (۲۰) امام غزالیؒ کے نزدیک "اگر سارے قرآن کی بجائے صرف لفظ اِعدلُوا ہوتا تو یہ اپنے معنی کی وسعتوں کے لحاظ سے کافی تھا۔اللہ اور بندوں کے حقوق سب اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں"۔(۲۱)عدل اجتماعی کی اہمیت سے متعلق چند اہم ارشادات باری تعالیٰ حسب ذیل ہیں :

۱۔اِنَّ اللهَ يَامرُ بِالعَدلِ وَالاِحسَانِ (۲۲) "بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے"۔

۲۔یاأَیُّھَاالَّذِیْنَ آمنوا کُونُوا قَوَّامِینَ لِله شُهَداءِ بالقِسطِ وَلَایَجرِمَنَّکُم شَنَانُ قَوم عَلیٰ اَلّا تَعدِلُوا اِعدِلُوا ھُوَ اَقرَبُ لِلتَّقویٰ (۲۳)"اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔عدل کرو جو تقویٰ کے قریب ہے"۔

۳۔ یٰداوُدُ اِنَّا جَعَلنٰکَ خَلیفةً فِی الَارضِ فَاحکُم بَینَ النَّاسِ بِالحَقِّ(۲۴)"اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کر"۔

۴۔ یٰاَ یُّھاَ الّذِیْنَ آمَنوُ آ اَطِیعوُ االلهَ وَاَطِیعُو االرَّسُولَ وَاُولِي الاَمرِ مِنکُم فَاِن تَنَازَعتُم فِی شَی ءٍ فَرُدُّوهُ اِلی اللّٰهِ وَالَّرسُولِ (۲۵)"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسولؐ کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہو۔پھر اگر جھگڑ پڑو کسی امر میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے"۔

۵۔ کَانَ النّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِیّنَ مُبَشِرینَ مُنذَرین وَانزَل مَعَھمُ الکِتٰب بِالحِقّ لِیَحکُم بَینَ النَّاسِ فِیمااختَلَفُوا فِیه (۲۶)"ابتداء میں لوگ ایک ہی طریق پر تھے(پھر اختلاف رونما ہوئے)تب اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے مابین جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کریں"۔

VI۔ سنّت نبوی اور عدل اجتماعی کی اہمیت:

نبی اکرمؐ کی بعثت کا مقصد عدل اجتماعی کا قیام تھا۔قرآن حکیم میں نبی کریمﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا: وَاُمِرتُ لِاَعدِلَ بَینَکُم (۲۷)"میں تمہارے درمیان عدل کرنے پر مامور کیا گیا ہوں"۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کے درمیان عدل کرنا فرائض نبوّت میں شامل ہے۔حکم ربانی ہے:قُل اَمَرَ رَبّی بِالقِسطِ (۲۸)" آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو عدل کا حکم دیا ہے" قرآن مجید کی رو سے بعثت انبیاء کی غایت عدل وانصاف کا قیام ہے: لَقَد اَرسَلنا رُسُلَنَا بِالبَیّنٰت وَاَنزَلنَا مَعَهُمُ الکِتَابَ وَالمِیزَانَ لِیَقُومَ النَّاسُ بِالقِسطِ(۲۹)"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دیکر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں"۔ابن قیمؒ کے نزدیک یہاں اعتدال سے مراد عدل ہے(۳۰)حق سبحانہٗ وَ تعالیٰ نے نبی آخرالزّماںﷺ کو حکم دیا: فَاحکُم بَینَهُم بِمَااَنزَلَ اللهُ وَلَاتَتَّبِع اَهوآءَ هُم عَمَّاجآءَ کَ مِنَ الحَقِّ(۳۱) "لہذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا اس سے منہ موڑ کر ان خواہشات کی پیروی نہ کرو"۔ایک دفعہ رسول اللہﷺ مال غنیمت تقسیم کررہے تھے کہ عبداللہ ابن ذی الخویصرہ نے آپؐ سے کہا :" اِعدِل یَا رَسُولَ اللهِ " آپؐ نے جواب میں جو کچھ فرمایا۔وہ انتہائی اہم ہے:"وَیلَکَ مَن یعدل اِذالَم اعدل "(۳۲)"تم ہلاک ہوا گر میں عدل نہ کرونگا تو کون کریگا"۔ حضور علیہ اسلام نے عہد نبوت میں بہ نفس نفیس مقدمات کی سماعت کی ہے اور ان کا فیصلہ صادر فرمایا ہے ان مقدمات کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔کتب احادیث وسیر میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔نبی عادلﷺ اپنی حیات مبارکہ میں قضاء کے اس اہم فریضہ کو خدا کا حکم سمجھ کر ادا کرتے رہے کیونکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس منصب قضاء پر فائز کئے گئے تھے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے اہل ایمان کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ اپنے تمام تنازعات میں رسول اللہﷺ کو ہی حاکم وقاضی مانیں اور آپؐ کے فیصلوں کو برضا ورغبت قبول کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے : فَلَاوَرَبّکَ لَایُومِنُونَ حتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَاشَجَرَ بَینَهُم ثُمَّ لَایَجِدُوافِیی اَنفُسِهِم حَرَجاً مِمَّا قَضَیتَ وَیُسَلِّمُوا تَسلِیئماً(۳۳)۔

VII۔ عدل اجتماعی کا ایک اہم مظہر معاشی عدل:

معاشی عدل، عدل اجتماعی کا ایک اہم پہلو ہے۔اسلامی ریاست اپنے شہریوں کی بنیادی سہولتوں کی

ضامن ہوتی ہے۔ بنیادی ضروریات سے مراد غذا، لباس اور مکان ہیں۔ جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: "حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا آدمی کیلئے حق نہیں ہے سوائے تین چیزوں کے ایک گھر جو اسے چھپائے اور حفاظت دے دوسرا لباس جو اس کے ستر کو ڈھانپے، سوم کسی شکل میں روٹی پانی"۔(۳۴) ان تین بنیادی ضروریات کے علاوہ تعلیم، علاج اور حصول انصاف وغیرہ کے مواقع فراہم کرنا بھی فلاحی مملکت کی ذمہ داری ٹھہرتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول کس قدر اہم ہے کہ فرات کے کنارے پر کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائیگا تو عمرؓ سے اس کی باز پرس ہوگی۔ بے سہارا لوگوں کی کفالت سے متعلق حدیث میں آیا ہے: **انــا وارث مــن لا وارث لــه. اَعـقِلُ لَـهُ وَاَرِثُـهُ**(۳۵) "میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں۔ اس کی جانب سے دیت دونگا اور اس کا وارث ہوں گا" ریاست کے ساتھ ساتھ مال دار لوگوں کا بھی فرض بنتا ہے کہ محتاج لوگوں کی مالی معاونت کریں۔ قرآن وسنّت کی بے شمار ایسی نصوص ہیں جو معاشرے کے امیر لوگوں کو معاشی طور پر محروم لوگوں کی ضروریات کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَفِـي اَموَالِهِم حَـقٌّ لّـلسَّـائِـلِ وَالـمَـحـرُومِ**(۳۶) "اوران کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم لوگوں کیلئے"۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو حضورؐ نے یمن کے گورنر کے طور پر روانہ کرتے وقت حکم دیا کہ: **تُـوخـذ مِـن اغـنـيـاءِ هِـم وَتـرد عَـلـىٰ فقرا ءِ هم**(۳۷) "اس معاشرے کے دولت مندوں سے مال لے کر ان کے غرباء ومساکین کو دے دیں"۔ زکواۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ ان کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کرے۔ حدیث نبوی ہے: "جس نے اجر وثواب کی نیت سے ادا کیا اس کیلئے اس کا اجر ہے اور جو اسے ادا نہیں کرتا ہم اس سے زکواۃ بھی وصول کرینگے اور اس کا آدھا مال بھی لے لیں گے جو ہمارے رب کی طرف سے تاوان ہوگا، جس میں آل محمدؐ کیلئے کوئی چیز جائز نہیں"(۳۸) حکومت مال داروں کی ترغیب وترہیب کیلئے خصوصی ذرائع اختیار کرسکتی ہے۔ ترغیب کے حوالے سے ارشاد نبوی ہے: "تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد ونوش ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے"(۳۹) مومنوں کی ایک صفت قرآن حکیم میں یہ بیان ہوئی ہے: **وَيُو ثِرُونَ عَلىٰ اَنفُسِهِم وَلَو كَانَ بِهِم خَصَاصَة**(۴۰) "اوران کو اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں۔ خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ: **لـو شِـئـنَـا لَشَبعنَا وَلكنَّهُ يُـو ثير عَلىٰ نفسِهِ**(۴۱) "اگر ہم چاہتے تو خوب سیر ہو کر کھا سکتے تھے لیکن رسول اللہؐ خود پر دوسرے بھوکوں کو ترجیح دیتے تھے"۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپؐ کی یہ فقر وفاقہ کی زندگی اضطراری نہیں، اختیاری تھی۔ مولانا محمد

طاسین حضورؐ کے ایثار سے متعلق رقمطراز ہے: "اسی طرح کتب حدیث وسیرت میں حضور اکرمؐ کی اپنی ذاتی معاشی زندگی کے متعلق جو فعلی احادیث ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ دوسروں کی ضروریات کا اس حد تک خیال رکھتے تھے کہ بعض دفعہ اپنی ضروریات کا کھانا دوسرے بھوکے کو دے دیتے تھے۔اور خود فاقہ کر لیتے تھے آپؐ کی معیشت نہایت معمولی وسادہ تھی مکان نہایت سادہ ومعمولی جس کی دیواریں مٹی کی اور چھت کھجور کی شاخوں کی اور صرف اتنا اونچا کہ کھڑے ہوکر ہاتھ سے چھولیا جائے۔لباس موٹے کھردرے کپڑے کا جس پر کئی کئی پیوند لگے ہوتے اور وہ بھی صرف ایک جوڑا، غذا کی حالت یہ کہ بقول ام المومنین حضرت عائشہؓ کہ مدینہ کی زندگی میں کبھی دوروز مسلسل آپؐ نے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔بعض دفعہ دو دو ماہ گزر جاتے اور گھر میں چولہا نہ جلتا اور اس لئے کہ کچھ پکانے کیلئے نہ ہوتا اور کھجور اور پانی پر گزارا کیا جاتا"۔(۴۲) پس نبی علیہ اسلام کے معاشی تعلیمات انسانیت کیلئے مشعل راہ ہے۔اور عدل اجتماعی کا قیام ہی ایک فلاحی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کا ضامن ہے۔جس کا اعتراف علامہ اقبال نے بھی ایک شعر کے پیرائے میں کیا ہے:

تانہ باشد درجہاں محتاج نکتہ شرع مبین ایں است وبس

VIII۔ عدل اجتماعی کا ایک اور مظہر معاشرتی عدل :

معاشرتی عدل، عدل اجتماعی کے مظاہر میں سے ایک اہم مظہر ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ کسی ملک کے رعایا کے تمام طبقات کو عدل وانصاف فراہم کرنا اور حقوق دینا۔اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز نہیں ہے۔سماجی انصاف کے مستحق مسلمان بھی ہیں اور ذمی بھی۔تعلیمات نبوی میں عمرانی عدل کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔قرآن وسنت میں معاشرتی مساوات اور احترام آدمیت کا اعلیٰ درس دیا گیا ہے۔جس میں رنگ ونسل ،ذات پات، زبان اور علاقائیت کے تمام امتیازات مٹادیئے گئے ہیں۔فرقہ واریت کا خاتمہ کیا گیا ہے۔غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔معاشرے کے تمام مظلوم طبقات، خواتین، بچوں، یتیموں، بیواؤں، بوڑھوں اور تمام عاجز مفلوک الحال لوگوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔تمام باہمی معاملات میں عدل کو اہمیت دی گئی ہے۔مثلاً قرآن پاک نے معاشرتی مساوات کا درس دے کر ظلم کی جڑ کاٹ دی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَآ يُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفسٍ وَّاحِدَةٍ(۴۳) "لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا"۔رنگ ونسل کا امتیاز بھی بسا اوقات ظلم کا باعث بنتا رہا ہے۔قرآن حکیم نے اس کی حقیقت واضح کردی : "اے انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری مختلف قومیں اور خاندان بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت

کرسکو۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"(۴۴) رسول عادل ﷺ نے اس کی وضاحت یوں کی : "اے گروہ قریش۔اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے فخر کو تم سے دور کردیا۔اے لوگو! سب آدمؑ سے ہو اور آدمؑ مٹی سے تھے۔نسب کیلئے کوئی فخر نہیں۔(۴۵) نبی رحمت ﷺ نے تعصب کی حوصلہ شکنی کی: **لَیسَ منامن دعاالِیٰ عصبیت ولیس منا من قاتل علی عصبیة ولیس منامن مات علی عصبیة** (۴۶)"وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی دعوت دی اور ہم میں سے نہیں وہ، جو عصبیت پر لڑا اور وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرا"۔نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہؓ کی ایسی تربیت فرمائی۔جو عدل وانصاف کے نمونے بن گئے۔مثلاً معاشرتی عدل کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے عبداللہ نے ایک قبطی عیسائی کو محض اس وجہ سے مارا کہ گھوڑ دوڑ میں وہ اس سے ہار چکا تھا۔حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؓ نے عمرو بن العاصؓ کے سامنے خود مظلوم کے ہاتھ سے اس کے بیٹے (عبداللہ) کو کوڑے لگوائے اور پھر آپؓ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: **یاعمرو!متی استعبدتم الناس وقدولدتهم امهاتهم احرارا** (۴۷) "اے عمرو!تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنایا۔حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا"۔علاوہ ازیں معاشرتی زندگی میں جتنے بھی باہمی معاملات ہیں ان تمام امور ومعاملات میں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔فرمان الٰہی ہے: **وَلیَکتُب بَّینَکُم کاتِب بالعَدلِ** (۴۸) "اور تمہارے باہمی معاملات کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے"۔معاشرتی عدل کی ایک قسم عورت کے حقوق کی نفی تھی۔جسے قرآن نے ختم کردیا۔بہت سے وہ امور جن میں عورت اور مرد دونوں فطری طور پر برابر ہیں،ان کی ضرورتیں اور خواہشات مساوی ہیں،ان سے متعلق اسلام نے بھی انہیں مساوی درجہ دیا ہے۔مثال کے طور پر دونوں کے حقوق اسلام میں بالکل برابر ہیں۔قرآن کہتا ہے: **وَلَهُنَّ مِثلُ الَّذِی عَلَیهِنَّ بِالمَعرُوف** (۴۹) "اور عورتوں کے مردوں پر اسی طرح کے حقوق ہیں،جس طرح مردوں کے عورتوں پر ہیں،دستور کے مطابق" تعدّد ازواج کو عدل کے ساتھ مشروط کیا گیا فرمان الٰہی ہے: **فَاِن خِفتُم اَن لَّا تَعدِلوُا فَوَاحِدَةَ** (۵۰) "اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب سے یکساں سلوک نہ کرسکو گے تو ایک ہی (کافی) ہے"۔ عورت کی ایک اہم حیثیت بیوی کی ہے،عورت اس حیثیت میں بھی ہمیشہ زمانے کے جبر اور غیر مساوی رویئے کا شکار رہی ہے،اسلام مردوں کو خصوصیت کے ساتھ حکم دیتا ہے کہ وہ عورتوں (بحیثیت بیوی) سے حسن سلوک سے پیش آئیں،ارشاد ربانی ہے: **وَعَاشِرُو هُنَّ بِالمَعرُوفِ** (۵۱) "اور ان کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرو"۔حدیث نبوی ہے: **خَیرُ کُم خَیرُ کُم لاهلی ،وانا خیر کم**

لاھلی (۵۲)" تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے بہتر ہے، اور میں اپنے گھر والوں کیلئے تم سے بہتر ہوں"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؐ کے بارے میں فرماتی ہیں: "حضور اکرم ﷺ انتہائی انس ومروت سے پیش آنے والے گھل مل جانے والے اور انتہائی شریف النفس اور کریم الطبع تھے، اگر چہ بظاہر وہ تم مردوں کی طرح تھے لیکن انتہائی شگفتہ مزاج ان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی"۔ (۵۳) آپؐ کا اپنی بے بیوں کے ساتھ عدل وانصاف اور مساوات کا یہ عالم تھا کہ آپؐ جب سفر پر روانہ ہوتے تھے تو قرعہ اندازی میں جس بی بی کا نام نکل آتا تھا۔ اسی کو اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں معاشرتی عدل کی ایک صورت یہ تھی حضرت عمرؓ کا بیان ہے: **رَاَیتُ رسول اللہؐ یقیدمن نفسہ (۵۴)**" میں نے رسول اللہؐ کو خود اپنی ذات سے بدلہ لیتے بھی دیکھا"۔ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ ہمیشہ عادلانہ رہا ہے۔ مثلاً جنگ یرموک کے موقع پر قیصر روم لاکھوں فوج جمع کر کے مسلمانوں کو شام وفلسطین سے باہر نکال دینے اور ان کی قوت کو کچل دینے کا عزم کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو اپنے بچاؤ کیلئے ایک ایک پیسہ کی ضرورت تھی لیکن اسلام کی شان عدل ملاحظہ ہو۔ اس نازک گھڑی میں انہوں نے حمص کے عیسائی باشندوں کو جمع کر کے ان سے وصول کیا ہوا خراج یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے" (۵۵)۔

عدل اجتماعی کا مظہر عدالتی عدل :

عدل وانصاف کیلئے جہاں ریاست کا قیام ضروری ہے۔ وہاں عدل نافذ کرنے والے اداروں کا قیام بھی ضروری قرار پاتا ہے۔ عدل اجتماعی کا نفاذ ان اداوں کا محتاج ہے کیونکہ یہ فرد واحد کا کام نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے کہا ہے: "جبکہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اس کے لئے ہر کام کیلئے معاونین کا ہونا ضروری ہے" (۵۶) عدل نافذ کرنے والے اداروں کی ضرورت سے متعلق امام الشاطبی کہتے ہیں: "کسی فرد میں اتنی طاقت واستعداد نہیں ہوتی کہ اپنی ذات اور پھر اہل وعیال کے مصالح کی تنہا نگرانی ونگہبانی کرتا رہے، چہ جائیکہ ہر بنی نوع انسان، خاندان یا تمام قبیلے کے مصالح کا تحفظ کر سکے" (۵۷) یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ قائم ہوتے ہی اجتماعی ادارے وجود میں آ گئے تھے۔ یعنی قضاء، حسبہ، افتاء، دیوان المظالم اور شرطہ۔ عدل نافذ کرنے والے ان اداروں میں محکمہ قضاء انتہائی اہم ادارہ ہے۔ منصب قضاء کی قبولیت کے حوالے سے ترغیب وترہیب پر مشتمل دونوں طرح کی احادیث وارد ہوئی ہیں:

(۱) **مَن جُعِلَ قَاضِیاً فَقَدذُبِحَ بغَیرِ سکیّن (۵۸)**" جسے لوگوں میں قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح ہوا"۔

(۲)　حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: **یجاء بالقاضی العدل یوم القیامة فیلقی من شدة الحساب ما یُودانه لم یکن قضی بین الثنین(۵۹)** "قیامت کے دن عادل قاضی کو (خدا کے سامنے) پیش کیا جائیگا۔ جس کو اپنے سخت حساب کا سامنے ہوگا۔ وہ تمنا کریگا کہ کاش اس نے فریقین میں کوئی فیصلہ نہ کیا ہوتا" ایک اور حدیث ہے:

(۳)　**لتاتین علی القاضی العدل یوم القیامة ساعة یتمنی انه لم یقض بین اثنین فی تمرة قط(۶۰)** "عادل قاضی کے اوپر قیامت کے روز ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ وہ تمنا کریگا کہ کاش اس نے کبھی فریقین کے درمیان ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا"۔

(۴)　حدیث میں آیا ہے: **لسان القاضی بین الجمرتین من النار حتی یقضی بین الناس فامافی الجنة و امافی النار(۶۱)** "قاضی کی زبان دو انگاروں کے درمیان ہے یا تو جنت میں یا دوزخ میں یعنی بسبب قدرت فیصلہ وہ ہر وقت جنت و دوزخ کے درمیان معلق رہتا ہے"۔

(۵)　حدیث نبوی ہے: **القضاة ثلاثة ،اثنان فی النار،وواحدفی الجنة: رجل عرف الحق فقضی به فهوفی الجنة ورجل عرف الحق فلم یقض به، وجارفی الحکم فهو فی النارورجل لم یعرف الحق،فقضی للناس علی جهل فهو فی النار (۶۲)** "قاضی تین قسم کے ہیں: دو قسم جہنم میں اور ایک قسم جنت میں (جائیگی) ایک شخص جسے حق بات کی معرفت ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کردے، وہ جنت میں جائیگا اور ایک شخص جسے حق بات کی معرفت ہو لیکن وہ اس کے مطابق فیصلہ نہ سنائے، وہ آگ میں پڑیگا اور ایک شخص جسے حق بات کی کوئی معرفت نہ ہو اور وہ جہل کی بنیاد پر لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرے۔ وہ آگ میں پڑیگا"۔

(۶)　فرمان نبوی ہے: **لیوم واحد من إمام عادل افضل اوخیرمن عبادة ستین سنة، وحد یقام فی ارض بحقه ازکی من مطراربعین خریفا (۶۳)** "ایک گھڑی (دن) کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ امام عادل کا، اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی ایک حد کو قائم کرنا خزاں کے چالیس دنوں کی بارش سے افضل (نفع بخش) ہے"۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: **لان اجلس قاضیا بین الناس بحق واجب احب الّیی من عبادة سبعین سنة(۶۴)** "میں اپنی زندگی کا ایک دن قضاء کے مشغلہ میں گزاروں وہ ایک دن مجھے ستّر برس کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے" حدیث نبوی ہے: **المقسطون عندالله یوم القیمة علی منابرمن نورعن یمن الرحمٰن عزوجل وکلتا یدیه یمین(۶۵)** "اللہ

تعالیٰ کے نزدیک عدل وانصاف کرنے والے قیامت کے روزنور کے منبروں پر ہونگے۔ یہ منبر رحمٰن کی داہنی جانب قائم ہونگے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہاتھ ہیں"۔شیخ ابوالحسنؒ نے "یمین الرّحمٰن" کی تصریح یوں کی ہے : "رحمٰن کے دائیں ہاتھ کا معنی یہ کہ وہ اچھی حالت اور بلند درجہ پر (فائز) ہونگے" (٦٦) یہ تو عدل اجتماعی کے اخروی فوائد ہیں۔قرآن حکیم میں یہ دنیوی برکات کا سبب بھی ہے۔مثلاً قرآن کہتا ہے۔اِعدِلُوا هُوَ اَقرَبُ لِلتَّقوٰی (٦٧) "عدل کرو جوتقویٰ کے قریب ہے"۔ یہاں عدل وتقویٰ لازم وملزوم ہیں۔جن کے دنیوی فوائد کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَلَو اَنَّ اَهلَ القُرٰی اٰمَنُوا وَالتَّقَوا لَفَتَحنَا عَلَیهِم بَرَکاتٍ مِّن السَّمآءِ والارضِ (٦٨) "اگران بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار رہوتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے"۔گویا عدل وتقویٰ ہی ارض وسماء کے برکات کے نزول کا سبب ہے۔الغرض یہاں ترغیب وترہیب دونوں طرح کی نصوص کا تذکرہ کیا گیا ہے۔جس کا مقصد ہر گز یہ نہیں کہ کوئی قاضی عہدہ قضاء قبول نہ کرے بلکہ اس کا مقصد قاضیوں کو قضاء جیسے اہم ادارے کی نزاکت کا احساس دلانا ہے۔تاکہ وہ محتاط رہیں۔عدل اجتماعی کا ایک اہم پہلو اداب القاضی بھی ہے۔آداب قضاء فقہ کی کتابوں میں مختلف عنوانات مثلاً کتاب ادب القاضی، کتاب الاقضیۃ اور کتاب الاقضیۃ والاحکام کے تحت بیان ہوئے ہیں۔قاضی سے متعلق آداب کی تین قسمیں ہیں: (الف) وہ آداب جن کا تعلق خود قاضی کی ذات سے ہے۔(ب) وہ آداب جن کا تعلق قاضی کے اس برتاؤ سے ہے جو فریقین کے ساتھ کرے۔(ج) وہ آداب جن کا تعلق قاضی کے اس برتاؤ سے ہے جو وہ گواہوں کے ساتھ کرے(٦٩) جہاں تک قسم اوّل یعنی قاضی کے ذاتی ضابطہ اخلاق کا تعلق ہے۔قاضی کو چاہیے کہ وہ بامروت ہو۔باکرداراور پرہیزگار ہو۔کیونکہ وہ حقوق انسانی کا محافظ ہے وہ کمزوروں کا سہارا ہے۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر قاضی کے فرائض میں شامل ہیں۔قاضی کو چاہیے کہ وہ کبائر سے بچنے والا ہواورصغائر پر اصرار نہ کرنے والا ہو۔قاضی کوزبان دل کی سختی اور بغض وعناد سے پرہیز کرنا چاہیے۔بتصریح امام سرخسیؒ : ولاینبغی للقاضی ان یکون فظّا، غلیظا، جبّارا،عنیدا،لانہ خلیفۃ رسول اللہﷺ فی القضاء بین الناس (٧٠) "ضروری ہے کہ قاضی بداخلاق،سخت زبان اورسخت دل نہ ہو، جبر وظلم سے دوراور عناد وکینہ سے پاک رہے کیونکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں رسول اللہؐ کا نائب ہے"۔قاضی دیکھے تو فراست کی نگاہ سے دیکھے۔ابن خلیل طرابلسی نے لکھا ہے: وَلیَکن ضِحکُہ تبسُّماً وَنظرُہ فِراسَۃً(٧١) "اس کی ہنسی تبسّم ہواوراس کی نظر فراست"۔قاضی کا طمع اور لالچ سے پاک ہونا بھی ضروری ہے۔لوگوں کی دولت پراس کی نگاہ نہیں پڑنا چاہیےاور مادی لذتوں سے بچنا

چاہیے۔اخلاص وورع ہی کامیابی کی کنجی ہے۔چنانچہ امام سرخسیؒ نے لکھا ہے:**ولما امتحن عَلِیّؓ قاضِیاً قال بِمَ صَلاحُ هذاالامر ؟ قال بالوَرع** (۷۲)"اور جب حضرت علیؓ نے ایک قاضی کا امتحان لیا تو قاضی سے پوچھنے لگے کہ تم امر قضاء کا اصلاح کس چیز سے کروگے تو اس نے کہا" ورع کے ذریعے" تب حیدر کرارؓ نے فرمایا تجھے قاضی بننے کا حق حاصل ہے"۔قاضی کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ لوگوں کی ملامت سے بے پرواہ ہو۔اپنے فیصلوں میں صرف خدا کی رضا کا طالب ہو اور اس کی ناراضی کا خوف اس کے پیش نظر ہو(۷۳) قاضی کو چاہیے کہ وہ صاحب رائے علماء سے مشورہ کرے۔کیونکہ مشورہ سنت رسول ہے۔وکیع نے لکھا ہے : "قاضی شریحؒ قضاء کیلئے مسجد میں بیٹھتے تھے تو آپ کے ساتھ قضاء میں معاونت کیلئے علماء بیٹھا کرتے تھے جن میں حضرت ابوعمر وشیبانی اور شعبی بھی تھے"(۷۴) حضرت عمرؓ بھی صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے۔چنانچہ جب کوئی خاص واقعہ پیش آتا تھا تو فرماتے تھے:**ادعوا الیّ علیّاًؓ وادعُوا اِلَیَّ زَیدَ بن ثابِتٍ وَاُبیَّ بن کعبؓ** (۷۵)"حضرت علیؓ حضرت زید ثابتؓ اور اُبی بن کعبؓ کو میرے پاس بلاؤ" قاضی کو چاہیے کہ وہ پریشانی،غصہ اور جلد بازی میں فیصلہ نہ کرے۔حدیث نبوی ہے:**لایحکم احدبین اثنین وھو غضبان** (۷۶)"جب کوئی بھی غصہ کی حالت میں ہو تو وہ فریقین کے درمیان فیصلہ نہ کرے" حدیث میں آیا ہے کہ:" قاضی جلدی میں فیصلہ نہ کرے"(۷۷)احمد بن عمر الخصّاف نے کہا ہے:**وَلاینبغی للقاضی ان یجلس للقضاء وھو غضبان، وجائع ، وہ ضجر** (۷۸)" قاضی کو چاہیے کہ جب وہ فیصلہ صادر کرنے کیلئے بیٹھ جائے تو غصہ،بھوک اور تنگ دلی وبے قراری کی حالت میں فیصلہ نہ کرے"۔قاضی جب تک دونوں فریق کی پوری بات نہ سن لے۔اس وقت تک قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔حضرت علیؓ کو جب حضورؐ نے یمن کا قاضی بنایا تو ارشاد فرمایا : "جب تمہارے سامنے دونوں فریق پیش ہوں تو جب تک دونوں فریق کی بات نہ سن لو ہرگز فیصلہ نہ کرنا"۔(۷۹) قاضی کو طویل مقدمہ بازی سے بچنا چاہیے۔اگر قاضی بلاوجہ دیر سے فیصلہ کرے تو وہ گناہ گار ہے،ہاں اگر کوئی مصلحت ہو تو جائز ہے(۸۰) قاضی کو چاہیے کہ وہ فریقین کے درمیان مساوات کا مکمل لحاظ رکھے۔حدیث نبوی ہے:**مـن بتُـلِیَ بالقضاء بین الناس فلیعدل بَینَھم فِی لحظه ،و اشارتِه وَ مقعدِه** (۸۱)"جس شخص کو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی آزمائش میں ڈال دیا جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی نظروں ،اشاروں اور بیٹھک کے معاملے میں بھی عدل سے کام لے" حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ کے درمیان ایک تنازعہ پیش آیا۔وہ مقدمہ کو حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں لے آئے۔زید بن ثابتؓ مدینہ منوّرہ کے قاضی تھے وہ حضرت عمرؓ کے مرتبہ کے لحاظ رکھتے ہوئے آپؓ کی آمد پر اپنی کرسی سے

اٹھے۔آپؓ کوزیدؓ کا غیر مساویانہ رویہ پسند نہیں آیا اور فرمایا: ھٰذا اَوّلُ جَورُکَ یعنی یہ تیرا پہلا ظلم ہے۔اس کے بعد آپؓ نے وہ تاریخی جملہ فرمایا: لایدرک زیدالقضاء حتی یکون عمرو رجل من عُرض المسلمین عِندَہ سواء (۸۲)" زیداس وقت تک منصب قضاء کے اہل نہیں ہو سکتے جب تک عمر (امیرالمومنین) اور عام مسلمانوں میں سے معمولی آدمی ،ان کے نزدیک برابر نہ ہوں"۔علاوہ ازیں منصب قضاء کیلئے بہترین افراد کی تقرری ہے کیونکہ عدل اجتماعی کے قیام کیلئے ایسا کرنا انتہائی ضروری ہے۔اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد مشعل راہ ہے: "عدل وانصاف قائم کرنے کیلئے ایسے لوگ منتخب کیئے جائیں جو نہ تنگ نظر و تنگ دل ہوں اور نہ حریص وخوشامد پسند عمال حکومت کا تقرر بھی پوری جانچ پڑتال کے بعد کیا جائے" (۸۳) تقرری کے بعد قاضی پر احتساب اور اس کے کام کی نگرانی امیر کی ذمہ داری ہے۔اس ضمن میں الاحکام السلطانیہ میں ایک مثال پیش کی گئی ہے:

"ابراہم بن بطحا محتسب بغداد، قاضی القضاۃ ابوعمر بن حمار کے مکان سے گزرنے لگے تو اہل مقدمات کو ان کے انتظار میں دروازے پر بیٹھے دیکھا دن کافی نکل آنے سے دھوپ میں گرمی آ گئی تھی۔انہوں نے دربان کو بلایا اور کہا کہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کو دھوپ میں بیٹھے ہوئے اہل مقدمات کی تکالیف سے آگاہ کرو اور انہیں کہو کہ آ کر انہیں اپنی تاخیر کا عذر بیان کریں" (۸۴)۔

IX۔ چند اہم تجاویز :

۱۔ عدل اجتماعی کی کامیابی کیلئے موجودہ قانون شہادت اصلاح طلب ہے۔اسلامی قانون شہادت کی دوخصوصیات ایسی ہیں جو مروجہ قوانین شہادت پر فوقیت رکھتی ہیں۔یعنی تزکیۃ الشہود کا نظام اور نصاب شہادت۔علاوہ ازیں معیار شہادت بھی ہے۔

۲۔ مروّجہ پیشہ وکالت یعنی وکالۃ بالخصومۃ بھی اصلاح طلب ہے۔اصل میں پیشہ وکالت بذاتہ درست ہے لیکن بوصفہ خراب ہے۔چونکہ اس میں مقدمہ جیتنے کیلئے گواہوں کو جھوٹ کی تلقین (Tutoring) ہوتی ہے۔۔۔،اور بناوٹی اور پیشہ ور گواہوں کی مدد لی جاتی ہے، جو اسلامی نقطۂ نگاہ سے گناہ کبیرہ اور موجب عذاب ہے (۸۵) پس وکلاء کے پیشے کی اسلامی خطوط پر تنظیم نو نفع بخش ہے۔

۳۔ موجودہ عدالتی نظام کے حوالے سے دو امور اصلاح طلب ہے یعنی (۱) فصل خصومات میں تاخیر کا تدراک اور (۲) مقدمہ بازی کا تدراک۔

علاوہ ازیں صفدر جاوید سید صاحب نے محکمہ پولیس اور حسبہ سے متعلق مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی ہیں:

۱۔ پولیس کے نظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔موجودہ حالات میں سوسائٹی کی ضروریات کو یہ محکمہ پورا نہیں کر رہا ہے۔

۲۔ پاکستانی معاشرے کی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے محتسب کو ایسا قانونی اختیار دیا جائے جس سے وہ عوام کے اخلاق کو سدھار سکے۔

۳۔ رشوت کی روک تھام اور عوام الناس کے حقوق کی پامالی کی صورت میں محتسب کے پاس مکمل ضابطہ موجود ہو جس کے تحت وہ ان لوگوں کی گرفت کر سکیں جو مجرم ہیں۔

۴۔ خوراک میں ملاوٹ کے مقدمات صرف اور صرف محتسب کے دائرہ کار میں ہوں۔

۵۔ منشیات کی روک تھام کا کام محتسب کو دیا جائے۔(۸۶)

الحاصل کسی ملک کی ترقی ،خوشحالی ،بقا، پائیدارامن اور معاشی استحکام کیلئے عدل اجتماعی کا قیام ناگزیر ہے۔اس کا اعتراف تو غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔چنانچہ قیصر نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کا احوال معلوم کرنے کیلئے اپنے قاصد کو مدینہ منورہ بھیجا۔قاصد نے جس کی کیفیت میں حضرت عمرؓ کو دیکھا تو اس کے منہ سے بے ساختہ جو جملہ نکلا وہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے:

وَلٰكِنَّکَ یاعُمرؓ عَدَلتَ .فَاَمِنتَ وَنِمتَ"اورلیکن اے عمرؓ !آپؓ نے عدل کیا(نتیجتاً) آپ امن میں رہیں اور(آرام سے) سو گئے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ڈاکٹر خالد علوی،قرآن کا تصور عدل،منہاج (اسلامی نظام عدل نمبر) حصہ اول،سید محمد متین ہاشمی، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،لاہور،جلد۱،شمارہ۴،اکتوبر۱۹۸۳ء ص۳۳۔

۲۔ سید عبدالرحمٰن شاہ، اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے،منہاج (اسلامی نظام عدل نمبر)،حصہ دوئم ،مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ،لاہور،جلد۲،شمارہ ا،جنوری ۱۹۸۴ء، ص۶۔

۳۔ ابن خلدون ،مقدمہ، بحوالہ صدرالدین اصلاحی ، اسلام اور اجتماعیت ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور،۱۹۷۴ء،ص۱۴۔

۴۔ الکھف،۱۸:۵۴۔

۵۔ شیرازی، ابواسحٰق ابراہیم بن علی المھذ ب علی الشافعی،مصر،ت ن،ج ۲،ص۲۸۹۔

۶۔ بوعلی سینا، الشفاء (الالھیات) ایران، انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۶۳ھ، ص ۴۴۱۔
۷۔ الترمذی، الجامع، ابواب الفتن، باب {ماجاء} فی لزوم الجماعۃ
۸۔ صدرالدین اصلاحی، اسلام اور اجتماعیت، ص ۳۵۔۳۶۔
۹۔ الترمذی، الجامع، ابواب فضائل الجھاد، باب ماجاء فی فضل الحرس فی سبیل اللہ۔
۱۰۔ الخطیب التبریزی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ۔
۱۱۔ پروفیسر خورشید احمد، عدل، محاسبہ، قومی وقار اور خودمختاری، ترجمان القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، جلد ۳۴، شمارہ، اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ۳۷۔
۱۲۔ الکاسانی، علاؤالدین ابوکبر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ج ۲، ص ۲۸۴۔
۱۳۔ مجاھد الاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۷
۱۴۔ الکاسانی، بدائع الصّنائع، ج ۷، ص ۹۔
۱۵۔ السرخسی، شمس الدین، کتاب المبسوط، دارلمعرفہ لطباعۃ والنشر، ۱۳۹۸ھ، ج ۱۶، ص ۵۹۔
۱۶۔ بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۹۔
۱۷۔ ابن قدامہ، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن محمد، المغنی، عالم الکتب، بیروت، ۱۳۴۸ھ، ج ۹، ص ۳۴۔
۱۸۔ طرابلسی، ابوالحسن علی بن خلیل، معین الحکام فی مایتردد بین الخصمین من الحکام، مصطفیٰ البابی الحلمی، مصر، ت ن، ص ۷۔
۱۹۔ سید عبدالرحمٰن شاہ، اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے منھاج، حصہ دوئم، ص ۹۔
۲۰۔ مولانا گوہر رحمٰن، اسلامی ریاست، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور، جون ۱۹۹۸ء، ص ۳۶۶۔
۲۱۔ تفسیر النسفی، الجزء الثانی، ج ۲، ص ۱۰۰۔
۲۲۔ النحل ۱۶ : ۹۰۔ ۲۳۔ المآئدۃ، ۱۶ : ۸۔
۲۴۔ صٓ، ۳۸ : ۲۶۔ ۲۵۔ النسآء، ۴ : ۵۹۔
۲۶۔ البقرۃ، ۲ : ۲۱۳۔ ۲۷۔ الشوریٰ، ۴۲ : ۱۵۔
۲۸۔ الاعراف، ۷ : ۲۹۔ ۲۹۔ الحدید، ۵۷ : ۲۵۔
۳۰۔ سید عبدالرحمٰن شاہ، عدل نافذ کرنے والے ادارے، منھاج، حصہ دوم، ص ۱۰۔
۳۱۔ المآئدۃ ۵ : ۴۸۔
۳۲۔ البخاری، الصحیح، کتاب المرتدین، ۴ : ۳۹۔ ۳۳۔ النسآء، ۴ : ۶۵۔
۳۴۔ مولانا محمد طاسین، سیرت رسولؐ اور معاشی مساوات، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد،

۱۹۹۹ء، ص ۱۱۔
۳۵۔ ابوداؤد، سلیمان بن اللشعت، السنن، کتاب الفرائض، باب فی میراث ذوی الارحام۔
۳۶۔ الذّٰریٰت، ۵۱ : ۱۹۔
۳۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب اَخذِالصَّدَقَةِ مِن الاغنیاء، وَتُردَّ فی الفُقراء حیث کانوا۔
۳۸۔ الماوردی، الاحکام السلطانیہ، المطبعۃ المحمودیۃ، التجاریۃ، مصر، ت ن، ص ۱۱۶۔
۳۹۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب فی اللقطۃ، ج ۳، ص ۱۳۵۴۔
۴۰۔ الحشر، ۵۹ : ۹۔　　۴۱۔ الترمذی، الجامع، معیشۃ النبیؐ۔
۴۲۔ مولانا محمد طاسین، سیرت رسولؐ اور معاشی مساوات، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۔۱۲۔
۴۳۔ النسآء، ۴ : ۱　　۴۴۔ الحجرات، ۴۹ : ۱۳۔
۴۵۔ سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۴۔
۴۶۔ ابوداؤد، السنن، (عن جبیر بن مطعم)
۴۷۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، م ن، ت ن، ص ۱۰۷۔
۴۸۔ البقرۃ، ۲ : ۲۸۲　　۴۹۔ البقرۃ، ۲ : ۲۲۸۔
۵۰۔ النسآء، ۴ : ۳۔　　۵۱۔ النسآء، ۴ : ۱۹۔
۵۲۔ الترمذی، الجامع (رقم ۳۹۲۱)　　۵۳۔ اسحٰق بن راہویہ، رقم ۱۷۵۰۔
۵۴۔ ایضاً
۵۵۔ ابوالوفا محمد یونس، اسلام میں عدل وانصاف کی اہمیت، بیّنات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن، جلد ۳۸، شمارہ ۳، فروری ۱۹۸۱ء، ص ۵۲۔
۵۶۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغۃ، نور محمد اصح المصابح، ج ۲، ص ۹۴۔
۵۷۔ ڈاکٹر ایس ایم ناز، اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص ۳۔
۵۸۔ ابوداؤد، السنن، کتاب القاضی، باب فی طلب القضاء۔
۵۹۔ صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز، شرح ادب القاضی للخصاف، ج ۲، ص ۷۵۔
۶۰۔ احمد بن حنبلؒ، المسند، ج ۲، ص ۷۵۔　　۶۱۔ ابن ماجہ، السنن، ص ۶۸۹۔
۶۲۔ الترمذی، الجامع، ابواب الاحکام، باب ماجآء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی۔
۶۳۔ ابن ابی الدم، کتاب ادب القاضی، دارُالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، ص ۲۲
۶۴۔ ابن ابی الدم الحموی، ابواسحٰق ابراہیم بن عبداللہ (م ۶۴۲ ھ)، کتاب ادب القضاء، ص ۲۳۔

۶۵۔ البھیقی، السنن الکبری، کتاب ادب القاضی، ج ۱۰، ص ۸۷۔۸۸۔
۶۶۔ النباھی، تاریخ قضاۃ الاندلس، ص ۳۔ ۶۷۔ المآئدۃ، ۱۲ : ۸۔
۶۸۔ الاعراف، ۷ : ۱۲۔ ۶۹۔ مُجاھد الاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، ۲۷۴۔
۷۰۔ السرخسیؒ، کتاب المبسوط، ج ۸، ص ۱۰۸۔
۷۱۔ ابن خلیل طرابلسی، معین الحکام، ص ۱۷۔
۷۲۔ السرخسی، کتاب المبسوط، ج ۱۶، ص ۷۱۔ ۷۳۔ ایضاً
۷۴۔ محمد بن خلف بن حیان وکیع، اخبار القضاۃ، مطبع السعادۃ بجوار محافظۃ، مصر، ۱۳۶۶ھ، ج ۲، ص ۲۲۶
۷۵۔ السرخسی، کتاب المبسوط، ج ۱۶، ص ۷۱۔
۷۶۔ ابن ماجہ، السنن، ابواب الاحکام، باب لا یحکم الحاکم وھو غضبان۔
۷۷۔ ابوداوٗد، السنن، کتاب القضاء، باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ، ج ۲، ص ۱۴۷۔
۷۸۔ ابوبکر احمد بن عمر خصّاف شرح عمر بن عبدالعزیز، شرح ادب القاضی، مکتبۃ دارُ الباز، ۱۴۱۴ھ، ص ۶۸۔
۷۹۔ الوکیع، اخبار القضاۃ، بحوالہ ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، اسلام کا تصور عدل وقضاء، القلم، ادارہ علوم اسلامیہ۔
۸۰۔ محمود احمد غازی، ادب القاضی، ص ۶۴۲۔
۸۱۔ علی بن محمد الدارقطنی، السنن، کتاب الاقضیۃ والاحکام، ج ۲، ص ۵۱۱۔
۸۲۔ الوکیع، اخبار القضاۃ، ج ۱، ص ۱۰۸۔۱۱۰۔
۸۳۔ سید عبدالرحمٰن شاہ بخاری، عدل نافذ کرنے والے ادارے، منھاج (اسلامی نظام عدل نمبر) حصہ دوئم، ص ۴۸۔
۸۴۔ ڈاکٹر ایس ایم ناز، اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ص ۲۰۹۔
۸۵۔ رپورٹ اسلامی نظام عدل، اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۷۷
۸۶۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیاز، اسلام میں احتساب کا تصور، منھاج، جلد ۶، شمارہ ۱۔۲، لاہور، جنوری، اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۱۷۳۔